کتبِ تصوف کی روشنی میں اصطلاحاتِ تصوف (کشف المحجوب ایک خصوصی مطالعہ)

Some Sufi Terminologies in the light of Kashful-Mahjoob

عبید اللہ [1]

ڈاکٹر منظور احمد [2]

ارشاد اللہ [3]

Abstract

Sufism has a great importance in Islam. The term Sufism is used for "تصوف" in western culture, where followers of any religion can take part in this activity but Islamic Sufism has some restrictions i-e only the followers of Islam are accepted in this process of self purity. Many Muslim Sufis played a key role in the spread of Islam and Islamic Sufism all over the Muslim world. Hazrat Usman bin Ali Hujvery is one of the known Islamic Sufi who travelled from Ghazni (Afghanistan) to Lahore (Sub continent) for this purpose.Besides preaching the Islamic teachings, Hazrat Usman bin Ali Hujvery also presented a matchless work in writing a basic encyclopedia of that time on Islamic Sufism in Persian language called Kashful Mahjoob. Later on this book/ encyclopedia was translated into many languages. This article is an attempt to know:

1. How much importance has kashful Mahjoob in the spiritual teachings.
2. How many types of terminologies of Islamic Sufism are used in Kashful Mahjoob.
3. How these terminologies are defined and explained in comparison with the other books written specifically on Sufism or on Sufi terminologies, to gain the objective.

Keywords: Sufsm,Islam,Muslim,Hazrat Usman bin Ali ,Ghazni,Lahore.

---

[1] مدرس گورنمنٹ ہائی سکول گومل کلاں، ڈیرہ اسماعیل خان، ubaidchahkan@gmail.com

[2] اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ و عربی تحقیق، گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان

[3] پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ و عربی گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان

حضرتِ انسان کو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک عالی مقام حاصل ہے۔ پیدائشِ انسانِ اول کے وقت ملائکہ کو سجدہ کرنے کا حکم بھی اسی وجہ سے تھا کہ انسان کو باقی مخلوقات سے ممتاز کیا جاسکے اور تعلیماتِ قرآنی کے مطابق انسان کو اپنی خلافت کا درجہ بھی عطا فرمایا۔ انسانیت کی پیدائش، اس کے امتیازات اور پھر روئے ارض پر اس کا ورود صرف اور صرف ایک مقصد کی غرض سے تھا اور اس مقصد کو اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں بیان فرمادیا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[4]

"اور میں نے جن اور انسان کو بنایا ہے تو صرف اپنی بندگی کے لیے۔"

عبادت کا تعلق اخلاص اور تزکیہ نفس کے ساتھ ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں بھی تزکیہ کو نہایت اہمیت کے ساتھ ذکر فرمایا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾[5]

"وہی خدا ہے جس نے امیوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔"

تخلیقِ انسانیت کے مقصد کی جس طرح وضاحت کی گئی، اسی طرح اس کی طرف راہنمائی کا بھی خاطر خواہ انتظام فرمادیا گیا۔ اس مقصد کے حصول یعنی اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت اور اس وحدہٗ لاشریک کی پہچان اور اس سے بندوں کا تعلق قائم کرنے کیلئے انبیاء کرامؑ اور رسولوں کا سلسلہ شروع فرمایا گیا۔ جو اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچاتے۔ زمین کے ہر خطے میں انبیائے کرام کی بعثت ہوئی ہے۔ ہمیں ان کی تعداد یقینی طور پر معلوم نہیں، لیکن کتب حدیث کی ایک روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک دوسری روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام کی بعثت کا

---

[4] سورۃ الذاریات ۵۱:۵۶

[5] سورۃ الجمعہ ۶۲:۲

ذکر ملتا ہے، لیکن ایسی تمام روایات پر اصولِ حدیث کی روشنی میں جرح وقدح موجود ہے، تاہم انبیائے کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہو یا دو لاکھ چوبیس ہزار، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی دور اور قوم کو انبیائے کرام کی تعلیمات سے محروم نہیں رکھا۔ سابقہ امم میں ایک ہی وقت میں کئی کئی قوموں اور علاقوں کیلئے علیحدہ علیحدہ انبیاء کرام مبعوث فرمائے گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ [6]

"اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی خبر دار کرنے والا نہ گزرا ہو۔"

ایک دوسری آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولاً﴾ [7]

"اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔"

انبیاء کرامؑ کی بعثت کا یہ سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور اور نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس سلسلہ کی آخری کڑی تھے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّيْنَ﴾ [8]

"(حضرت) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں لیکن اللہ کے پیغمبر اور نبیوں کی مہر یعنی سلسلہ نبوت کو ختم کر دینے والے ہیں اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔"

اس آیت مبارکہ کے مطابق نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی نبی یا رسول نے انسانیت کو راہنمائی فراہم کرنے کیلئے مبعوث نہیں ہونا۔ کیونکہ آیت مبارکہ میں خاتم النبیین کا لفظ استعمال ہوا ہے اور چونکہ نبی عام ہے جبکہ رسول خاص۔ یعنی

---

[6] سورۃ فاطر ۳۵:۲۴

[7] سورۃ الاسراء ۱۷:۱۵

[8] سورۃ الاحزاب ۳۳:۴۰

جو رسول ہو گا (صاحب شریعت ہو گا) ضروری ہے کہ وہ نبی بھی ہو لیکن نبی کیلئے ضروری نہیں کہ وہ صاحب شریعت ہو۔[9] یوں چونکہ یہ آیتِ مبارکہ عام کی آمد پر مہر ثبت کر کے اس سلسلہ کو بند کر رہی ہے، اسلئے خاص کی آمد یعنی رسولوں کے سلسلہ کی خاتم ہے ہی۔

نبی اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد چونکہ کسی دوسرے نبی یا رسول کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا، اسلئے نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کی تربیت اس انداز سے فرمائی کہ وہ منہج نبوی کے مطابق طریق تبلیغ کو آگے بڑھائیں اور یہ سلسلہ تا قیامت چلتا رہے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی اپنا حق ادا فرمایا اور یوں صحابہ کرام کے بعد یہ سلسلہ تابعین، تبع تابعین اور بزرگانِ دین کے ذریعہ جاری و ساری ہے۔ جسے موجودہ دور میں سلاسل تصوف کے نام سے پہچان حاصل ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ[10] بھی اپنے وقت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت تھے، جنہوں نے نہ صرف تصوف میں کمال حاصل کیا بلکہ جو کام نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ذمے لگا کر گئے تھے، صحابہ کرام سے تابعین اور تبع تابعین سے ہوتا ہوا جب بزرگانِ دین تک پہنچا تو انہوں نے اپنے ذمہ کے کام میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کا شمار بھی انہی نابغہ روزگار شخصیات میں ہوتا ہے، جنہوں نے برصغیر پاک و ہند میں تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کیلئے اپنی زندگی وقف کر ڈالی۔

کشف المحجوب کا مقام

حضرت داتا صاحبؒ تصوف کے میدان میں اتھارٹی (Authority) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپؒ کا شمار ان نابغہ روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے، جنہوں نے عملی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ تصوف کے میدان میں گرانقدر تصانیف بھی اپنے ورثہ میں چھوڑیں۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں کشف المحجوب آپؒ کی وہ تصنیف ہے جو اپنی مثال آپ

---

9 قاسمی، ثمیر الدین، مولانا، اثمار الهدایہ علی الهدایہ (کراچی، :زمزم پبلیشرز، اردو بازار کراچی، پاکستان، س ن)، ۱/۴۱

10 حضرت سید ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الهجویری ثم لاہوری معروف بہ داتا گنج بخشؒ (۴۰۰-۴۶۵ھ / ۱۰۰۹-۱۰۷۲ء) ہجویر اور جلاب غزنی کے دو گاؤں ہیں شروع میں آپ کا قیام یہیں رہا اس لیے ہجویری اور جلابی کہلائے۔ سلسلہ نسب حضرت علی مرتضیٰؓ سے ملتا ہے۔ روحانی تعلیم جنیدیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن ختلیؒ سے پائی۔ پیر کے حکم سے ۱۰۳۹ء میں لاہور پہنچے کشف المحجوب آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ لاہور میں بھاٹی دروازہ کے باہر آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ عوام آپ کو گنج بخش (خزانے بخشنے والا) اور داتا صاحب کہتے ہیں اور آپ انہی القابات سے مشہور ہیں (انسائیکلوپیڈیا فیروز سنز)

ہے اور تصوف کے میدان میں ایک مختصر انسائیکلوپیڈیا یا دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے۔ شہزادہ دارا شکوہ[11] سفینۃ الاولیاء میں کشف المحجوب سے متعلق لکھتے ہیں:

> مرشدے کامل است۔ در کتبِ تصوف بہ خوبی آں در زبان فارسی تصنیف نشدہ۔[12]
>
> "یہ مُرشد کامل ہے اور تصوّف کی کتابوں میں اس خوبی کی کتاب فارسی میں تصنیف نہیں ہوئی۔"

مفتی غلام سرور لاہوری خزینہ الاصفیاء میں لکھتے ہیں:

> " آپکی تصانیف میں سے کشف المحجوب کو قبول خاص و عام کی سند حاصل ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں تصوف پر اولین کتاب ہے، اسلئے تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے۔"[13]

شیخ محمد اکرم اپنی مشہور تصنیف آب کوثر میں رقمطراز ہیں:

> "(کشف المحجوب) آپکا شاہکار ہے۔ اور چونکہ فارسی زبان میں تصوف پر یہ پہلی کتاب ہے اس کی تاریخی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے۔ یہ کتاب آپ نے اپنے رفیق ابو سعید ہجویری کی خواہش پر جو آپ کے ساتھ غزنی چھوڑ کر لاہور آئے تھے، لکھی اور اس میں تصوف کے طریقے کی تحقیق، اہل تصوف کے مقامات کی کیفیت، ان کے اقوال اور صوفیانہ فرقوں کا بیان، معاصر

---

11 مغل بادشاہ شاہ جہان کا بیٹا تھا اور تصوف سے لگاؤ رکھتا تھا۔ مشہور بزرگ میاں میر لاہوریؒ کے شاگرد تھا۔ کئی کتب تصنیف کیں، جن میں سفینۃ الاولیاء بہت زیادہ مشہور ہے۔

12 داراشکوہ، محمد، سفینۃ الاولیائ قلمی (اہتمام مستر بیل صاحب بمطبع مدرسہ آگرہ، انڈیا، ۱۸۸۳ء)، ص ۲۸۲

13 لاہوری، غلام سرور، مفتی، خزینۃ الاصفیاء مترجمین مفتی محمود عالم ہاشمی و علامہ اقبال احمد فاروقی (مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور، شوال المکرم ۱۴۱۰ھ)، حاشیہ، ص:۱۲۹

صوفیوں کے رموز و اشارات اور متعلقہ مباحث بیان کیے ہیں۔ اہل طریقت
میں اس کتاب کو بڑا مرتبہ حاصل ہے۔"[14]

حضرت مولانا نورالدین محمد عبد الرحمٰن جامی "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں:

"آپؒ صاحبِ کشف المحجوب ہیں جو کہ اس فن میں ایک مشہور کتاب ہے۔
جس میں لطائف و حقائق بہت جمع ہیں۔"[15]

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

"یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تصنیف کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے
مصنف سے لگایا جاتا ہے۔ جس کتاب کا مصنف اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ،
عارف کامل، عالم ربانی حضرت ابو الحسن علی بن عثمان ہجویری الجلابی رحمۃ
اللہ علیہ جیسی فقید المثال ہستی ہو، اس کتاب کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو
چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔"[16]

شیخ عبد الرحمٰن چشتی لکھتے ہیں:

"کشف المحجوب حضرت سید ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری ثم
لاہوری معروف بہ حضرت داتا گنج بخش کی روحانیت و تصوف کے
موضوع پر لکھی ہوئی شہرہ آفاق تصنیف ہے جو فارسی میں لکھی گئی اب اس

---

14 محمد اکرم، شیخ، آب کوثر (ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، آٹھویں بار، ۱۹۷۹ء)، ص:۸۷

15 جامی، نورالدین محمد عبد الرحمٰن، مولانا، نفحات الانس مترجم: مولانا حافظ سید احمد علی چشتی (دوست ایسوسی ایٹس ناشران و تاجران کتب الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳ء)، ص:۲۹۲

16 علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب، مترجم: علامہ فضل الدین گوہر (ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ کراچی، جون ۲۰۱۰ء)، ص:۳۹

کے کئی تراجم دستیاب ہیں چنانچہ کتاب کشف المحجوب بزبانِ فارسی تصوف
کے علم میں اس نے ایسی لکھی ہے کہ اس کا ثانی روئے زمین پر نہیں ہے"[17]

جن حضرات کی کتب کے مطالعہ سے کشف المحجوب سے استفادہ کرنا، معلوم ہوتا ہے ان میں حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ کی تصنیف "تذکرۃ الاولیاء"، مولانا عبد الرحمٰن جامی کی تصنیف "نفحات الانس"، مکتوبات حضرت خواجہ شرف الدین یحیٰ منیری، ملفوظات سید اشرف جہانگیر سمنانی (لطائف اشرفی) اور تصنیفات حضرت گیسودرازؒ شامل ہیں۔ اس کتاب میں حکایات وواقعات کے ساتھ ساتھ تقریباً 248 آیاتِ قرآنیہ اور 172 احادیث رسول بھی شامل ہیں، حضرات خلفائے راشدین سے لے کر آئمہ متاخرین تک مشاہیر متصوفین کے تذکرے اور احوال درج کئے ہیں جو اس تصنیف سے قبل خال خال ہی ملتے ہیں۔

اس پوری بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ کی یہ تصنیف تصوف پر لکھی جانے والی ان ابتدائی کتب میں شمار ہوتی ہے جس نے اپنے عنوانات کے حوالے نہ صرف گہرے اثرات مرتب کئے، بلکہ اس موضوع پر لکھی جانے والی بعد کی کتب کیلئے ماخذ کا درجہ حاصل کیا۔ اس سے یہ بھی عیاں ہے کہ کشف المحجوب ایک لامثال کتاب ہے جسے کہیں پیر کامل کہا گیا تو کہیں اس میدان کی عظیم المرتبت شخصیات نے اس سے راہنمائی حاصل کی۔

کشف المحجوب اور اصطلاحاتِ تصوف

ایسا لفظ جس کے خاص معنی اسی شعبہ کے ماہرین نے مقرر کیے ہوں، اصطلاح (terminology) کہلاتا ہے اور اس کی جمع اصطلاحات ہیں۔ جس طرح دیگر شعبہ جات کے ماہرین نے اپنے فنون سے متعلق کچھ مخصوص اصطلاحات اور ان کے معانی و مفاہیم کا تعین کیا ہے، اسی طرح آئمہ تصوف نے بھی کئی اصطلاحات متعارف کروائی ہیں جو کئی صدیوں سے رائج ہیں اور تصوف سے وابستہ افراد انہی اصطلاحات کے مطابق اپنے اعمال سرانجام دیتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کا شمار اہل تصوف کی عظیم اور نابغہ روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے۔ آپؒ تصوف میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کی اہمیت سے پوری طرح واقف تھے، اسلئے آپؒ نے بھی اپنی اس تصنیف میں کئی ایک اصطلاحات کی تشریح کی ہے۔ آپؒ لفظ اصطلاح کی تعریف اور اہمیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں "اہل صنعت اور ارباب معاملہ کے پاس باہمی رموز بیان کرنے

[17] چشتی، عبد الرحمٰن، شیخ، مرآۃ الاسرار (ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، س ن)، ص:۱۱۳

کیلئے ایسے مخصوص الفاظ اور اصطلاحات ہوتی ہیں، جن کا مطلب ان کے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔ یہ عبارات اور اصطلاحات اس لئے وضع کی جاتی ہیں کہ بات اچھی طرح سمجھائی جاسکے اور مشکل چیز آسان ہو کر مرید پر واضح ہو سکے اور مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ راز کی چیزیں نااہل لوگوں سے چھپائی جاسکیں۔"[18]

کشف المحجوب میں اصطلاحاتِ تصوف کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں۔ یہ مقالہ کشف المحجوب میں استعمال کی جانے والی اصطلاحاتِ تصوف کی پہلی قسم، ان کی تشریح اور دیگر کتب تصوف میں ان اصطلاحات کی جو تعاریف کی گئی ہیں، ان کے درمیان ایک تقابلی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ جبکہ اسی کتاب میں بیان شدہ اصطلاحات کی دوسری قسم جو کلام صوفیاء میں استعارۃً استعمال ہوتی ہیں [19] کو شامل نہیں کیا گیا۔ ذیل کی سطور میں دیگر کتب تصوف اور کشف المحجوب میں اصطلاحات کی تشریح وتوضیح میں پائے جانے والے فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حال اور وقت

صوفیاء کے مخصوص الفاظ میں سے ایک لفظ وقت ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اس سے مراد انسان کی غالب حالت ہے۔ اس اصطلاح سے متعلق ابو علی دقاق کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے:

> "جس آن میں تم ہو وہی تمہارا وقت ہے، اگر تم دنیا میں ہو تو تمہارا وقت دنیا ہے، اگر عقبیٰ میں ہو تو تمہارا وقت عقبیٰ ہے، اگر غم میں ہو تو تمہارا وقت غم ہے، اگر خوشی میں ہو تو تمہارا وقت خوشی ہے۔"[20]

الرسالۃ القشیریہ میں حال کی تعریف یوں کی گئی ہے:

> "حال ایک کیفیت ہے جو بلا ارادہ اور بغیر کوشش کے ان کے دل پر طاری ہوتی ہے۔ مثلاً طرب، غم، بسط، قبض، شوق، بے قراری."[21]

---

[18] کنہیالال، تاریخِ لاہور (سنگ میل پبلی کیشنز چوک اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۱ء)، ص: ۲۹۴

[19] علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص: ۴۷۹

[20] ن۔م، ص: ۴۹۸

کشاف اصطلاحات الفنون میں لکھا ہے:

عندالصوفیه هو ما یرد علی العبد ویصرف فیه ویمضیه بحکمه من خوف أو حزن أو فرح، ولذلک قیل الوقت سیف قاطع ۔[22]

"صوفیہ کے نزدیک وقت وہ چیز ہے جو بندے پر پیش ہوتا ہے اور اس میں وہ تصرف کرتا ہے۔ وہ اس میں خوف یا غم یا خوشی کی حالت میں چلتا ہے۔ اور اسی لئے کہا گیا کہ وقت کاٹنے والی تلوار ہے۔"

خواجہ محمد عبد الصمد چشتی لکھتے ہیں:

"وقت اور حال سالک کے حاضر زمانہ کو کہتے ہیں جو زمانہ گزر چکا ہے وہ ماضی ہے اس کی فکر ہی کیا۔ جو آئندہ آنے والا ہے۔ مستقبل ہے اس کا کیا اعتبار۔ موجودہ حاضر زمانہ کو بیکار نہیں ہونا چاہیئے یہی وقت کہلاتا ہے۔" [23]

سید شریف علی بن محمد جرجانی لکھتے ہیں:

الوقت عبارة من حالک۔[24]

"وقت موجودہ زمانے کو کہا جاتا ہے۔"

حضرت داتا صاحبؒ وقت سے متعلق لکھتے ہیں:

"صوفیائے کرام کے نزدیک وقت ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں درویش گزشتہ اور آئندہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس کے دل پر فیضان حق

---

[21] القشیری، ابو القاسم عبد الکریم ہوازن، امام، الرسالۃ القشیریہ، مترجم: محمد عبد النصیر بن عبد البصیر العلوی (مکتبہ رحمانیہ، اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور، س۔ن)، ص:۱۲۵

[22] ن۔م، ص:۱۲۷

[23] التھانوی، محمد علی، العلامہ، کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم (مکتبہ لبنان ناشرون، بیروت، س ن)، ۲/ ۱۸۰۱

[24] چشتی، محمد عبد الصمد، خواجہ، اصطلاحاتِ صوفیہ (مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی، طبع اول جون ۱۹۲۹ء)، ص:۱۶۲

وارد ہوتا ہے اور اس کا باطن اس طرح مجتمع ہو جاتا ہے کہ عالم مشاہدہ میں
گزشتہ کی یاد آتی ہے نہ آئندہ کا خیال"[25]

حال کے متعلق فرماتے ہیں:

"حال ایک واردات ہے جو وقت پر نازل ہو کر اس کو اس طرح مزین کر دیتی
ہے جس طرح روح جسم کو۔ حال وقت کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ اس کی صفاء
اور اس کا قیام حال پر منحصر ہے۔ جب صاحب وقت صاحب حال ہو جاتا ہے
تو وقت کے تغیر سے آزاد ہو جاتا ہے اور اسے استقامت میسر آجاتی ہے۔
بے حال وقت زوال پزیر رہتا ہے۔"[26]

آپؒ کی اس تعریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کے نزدیک وقت صرف وہ ہے جس دوران سالک پر فیضان حق وارد ہو رہا ہو اور وہ اس میں اتنا مستغرق ہو کہ ماضی اور مستقبل سے مستغنی ہو جائے اور حال کا وقت سے اسی طرح کا تعلق ہے جس طرح روح جسم سے رکھتی ہے۔ آپؒ وقت کی صرف تعریف پر انحصار نہیں کرتے بلکہ آگے وقت کی تقسیم کرتے ہیں وقتِ فقد (جس میں مشاہدہ حاصل نہیں ہوتا) اور وقتِ وجد میں (جس میں مشاہدہ حاصل ہو رہا ہوتا ہے)۔[27] آپؒ ان اصطلاحات کی تشریح و تفہیم کیلئے 2 آیاتِ قرآنیہ، 1 حدیث مبارکہ، 3 اقوال مشائخ اور 2 واقعات مشائخ کو بھی بیان کرتے ہیں تاکہ وقت اور حال کا معنی و مفہوم کھل کر سامنے آجائے اور قاری اس سے مکمل استفادہ کر سکے۔ الرسالۃ القشیریہ کے علاوہ باقی حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک حال اور وقت ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں، جبکہ حضرت داتا صاحب نے حال اور وقت کی اصطلاحات میں فرق کو مدلل انداز میں بیان فرمایا ہے۔

مقام، تلوین اور تمکین

سید شبیر احمد کاکاخیل لکھتے ہیں:

---

[25] الجرجانی، الشریف علی بن محمد، السید، کتاب التعریفات، (المطبۃ الخیریہ المنشاۃ بجمالیۃ، مصر، ۱۳۰۶ھ)، ص: ۱۱۱

[26] علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص: ۴۸۰

[27] ن۔م، ص: ۴۸۲

"احوال کا بدلنا تلوین کہلاتا ہے۔ چونکہ مُرید کی جب تربیت ہوتی ہے تو اس پر عجیب عجیب انکشافات ہوتے ہیں جس سے اس کے احوال تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ چونکہ یہ ناپختگی کی علامت ہوتی ہے اس لئے سالک اس سے پناہ مانگتا ہے اور تمکین کی تلاش میں رہتا ہے۔ لیکن تمکین کے لئے تلوین لازمی ہے جیسا کہ منزل کے لئے راستے کا قطع کرنا۔ چونکہ دوران تلوین مختلف احوال کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے سالک گو کہ اس میں معذور ہے اور یہ لوازم طریق میں سے ہے اس لئے ماخوذ نہیں ہوتے۔ لیکن اس حال میں وہ قابل تقلید بھی نہیں ہوتے بلکہ ابھی راہ میں ہوتے ہیں اس لئے مشائخ بھی ان کے لئے تمکین کے انتظار میں ہوتے ہیں۔ تمکین: آخر میں حسب استعداد کسی حالت محمودہ پر استمرار نصیب ہو جاتا ہے اس کو تمکین کہتے ہیں اس وقت تمام اشیاء کے حقوق خوب ادا ہوتے ہیں۔ اسی کو توسط اور اعتدال بھی کہتے ہیں صاحب تمکین حق شناس ہوتا ہے اور واصل ہوتا ہے اس لئے قابل تقلید اور مقتدا بننے کا اہل ہوتا ہے۔"[28]

امام عبدالکریم ھوازن القشیری اصطلاح مقام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مقام آداب صوفیاء کی اس منزل کو کہتے ہیں جسے بندہ خدا کی طرف سے حاصل کرتا ہے۔ جہاں تک بندہ کسی قسم کے تصرف سے پہنچتا ہے، یا تلاش اور تکلیف کر کے اسے حاصل کرتا ہے۔ لہذا ہر شخص کا مقام وہ ہے، جہاں اس کا قیام ہے اور جس ریاضت کی مشق وہ اس وقت کر رہا ہے۔"[29] تلوین ارباب احوال کی صفت ہے، جب تک صوفی راستہ میں رہتا ہے، صاحب

---

[28] علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص:۴۸۱

[29] کاکا خیل، شبیر احمد، سید، زبدۃ التصوف (خانقاہ امدادیہ، اللہ آباد ویسٹرج، راولپنڈی، س۔ن)، ص:۲۲۔۲۳

تلوین کہلاتا ہے۔ اس کیلئے وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بلند ہو جاتا ہے اور ایک وصف سے دوسرے وصف کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے اور اپنے کوچ کرنے کی جگہ سے نقل کر اپنے مقام کی طرف آتا ہے اور جب اپنے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کو تسکین حاصل ہوتی ہے[30]. اور تمکین سے متعلق استاد ابو علی دقاق کا قول نقل کرتے ہیں کہ "جب طالبِ طریقت سے احکام بشریت دور ہو جاتے ہیں اور حقیقت کا تسلط اس پر غالب آجاتا ہے، جس بندہ کیلئے یہ حالت دائم رہتی ہے، وہ صاحب تمکین کہلاتا ہے۔"[31]

خواجہ عبد الصمد چشتی تلوین اور تمکین کو یوں واضح کرتے ہیں:

"مطلوب حقیقی کی طلب میں سالک کا ایک حال سے دوسرے حال میں متبدل ہوتے رہنا اور ایک صفت سے دوسری صفت میں منتقل ہوتے رہنا تلوین ہے اور جب سلوک پورا کر کے سالک مطلوب حقیقی واصل ہو گیا۔ وہ (صورت) تمکین اور ثبات ہے"[32]اور مقام سے متعلق لکھتے ہیں کہ "...ننانوے منزلوں کے بعد مقام تمکین آتا ہے وہاں پہنچ کر سالک اقامت کرتا ہے۔ کیونکہ تمام منازل سلوک سے فارغ اور جملہ اعتبارات غیریت سے پاک ہو کر ذات سبحانہ میں مستغرق ہو جاتا ہے اور قطرہ عین دریا ہو جاتا ہے اسی کو مقام فقر و مقام غنیٰ کہتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی مقام ہے۔"[33]

عبد الرزاق الکاشانی مقام سے متعلق لکھتے ہیں:

---

30 القشیری، ابو القاسم عبد الکریم ھوازن، امام، الرسالۃ القشیریہ، ص:۱۲۶

31 ن۔م، ص:۱۵۴

32 ن۔م، ص:۱۵۴

33 چشتی، محمد عبد الصمد، خواجہ، اصطلاحاتِ صوفیہ، ص:۲۸

> هو استيفاء حقوق المراسم ، فانه من لم يستوف حقوق مافيه من المنازل لم يصح له الترقى الىٰ ما فوقه، كما ان من لم يتحقق بالقناعة حتىٰ يكون له ملكة لم يصح له التوكل لم يصح له التسليم، وهلم جرا فى جميعها ، وليس المراد من هذا الاستيفاء أن لم يبق عليه (بقية من) درجات المقام السافل حتىٰ يمكن له الترقى الىٰ العالى، فان اكثر بقايا السافل ودرجاته الرفيعة انما يستدرک فى العالى، بل المراد تملكه على المقام بالتثبت فيه بحيث لا يحول فيكون حالاً وصدق اسمه عليه بحصول معناه، بأن يسمى قانعاً ومتوكلاً وكذا فى الجميع، فانه انما سمى مقاما لاقامة السالک فيه"[34]

تلوین کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> هوالاحتجاب عن أحكام حال، أو مقام سَنى بآثار حال أو مقام دنى وعدمه على التعاقب ، وآخره التلوين فى مقام تجلى الجميع بالتجليات الاسمائية فى حال البقاء بعد الفناء-[35]

تمکین کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> استقرار السالک فى مقام الولاية باضتماع صحة الانقطاع عما سوى الحق مع نور الكشف ، وصفاء الحال عن العلم، ولايفارقه الحال، ولايزاحمه الخير، ولا يسلب عن الشوق- [36]

حضرت داتا صاحبؒ نے مقام و تمکین کی جو تعاریف کی ہیں ان کے مطابق "مقام سے مراد طالب کا حقوق مطلوب کو سخت کوشش اور صحیح نیت سے ادا کرنا ہے"[37] اور "تمکین سے مراد محل کمال اور درجہ اعلیٰ پر اہل حقیقت کی

---

[34] چشتی، محمد عبد الصمد، خواجہ، اصطلاحاتِ صوفیہ، ص:۱۲۷

[35] الکاشانی، عبد الرزاق، معجم اصطلاحات الصوفیہ (دارالمنار۔9شارع الباب الأخضر۔میدان الحسنین، قاہرہ، ۱۹۹۲ء)، ص:۱۰۷

[36] ن۔م، ص:۱۷۴۔۱۷۵

[37] ن۔م، ص:۳۴۳

اقامت ہے۔ اہل مقام اپنے مقامات بدلتے رہتے ہیں مگر تمکین کے درجہ سے نکلنا محال ہوتا ہے۔ مقام مبتدیوں کا درجہ ہے اور تمکین منتہی لوگوں کی قرار گاہ ہے۔ ابتدا اسے نہایت کی طرف تو جاسکتے ہیں مگر نہایت سے آگے کوئی گزر گاہ نہیں۔ مقامات سلوک حق کی منزلیں ہیں اور تمکین درگاہ حق کا قیام ہے"[38] تلوین کی تعریف و تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " تلوین بھی صوفیائے کرام کی ایک اصطلاح ہے مقام وحال کی طرح۔ معانی میں ایک دوسرے کے نزدیک ہیں۔ تلوین کا مطلب متغیر ہونا ہے اور حال سے دوسرے حال میں جانا۔"[39]

درج بالا تعریفات میں سے جتنی واضح، عام فہم اور غیر مبہم تعاریف کشف المحجوب میں کی گئی ہیں، دیگر کتب میں اتنی آسان زبان استعمال نہیں کی گئی۔ ان تعاریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب طالب حقیقی سچائی اور لگن سے سلوک کی کسی منزل کو عبور کر رہا ہوتا ہے تو وہ اس طالب کا مقام ہوتا ہے۔ تلوین کا مطلب ہے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف جانا یعنی مقامات کی منازل کو طے کرنا۔ یوں ایک طالب کئی مقامات طے کر کے تمکین تک پہنچتا ہے اور یہی تمکین ہی مقامات کا انتہائی درجہ ہے۔ آپؒ ان تعاریف کی وضاحت کیلئے 5 آیات قرآنیہ ان کی ذیل میں لائے ہیں، تاکہ مطلب مکمل طور پر واضح ہو جائے۔ امام قشیریؒ کے علاوہ باقی تمام حضرات نے یا تو صرف ان اصطلاحات کی تعاریف کی ہیں یا پھر مختصر سی وضاحت لیکن حضرت داتا صاحبؒ اور امام قشیری نے ان اصطلاحات کی وضاحت انتہائی تفصیلی طور پر کی ہے تاکہ مطلب سے مکمل آگاہی حاصل ہو اور ان اصطلاحات کی حقیقت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

محاضرہ و مکاشفہ

امام قشیریؒ محاضرہ اور مکاشفہ سے متعلق لکھتے ہیں کہ " محاضرہ دل کا حاضر ہونا ہے۔ یہ حضور کبھی متواتر برھان کے ذریعے ہوتا ہے۔ جبکہ ابھی بندہ پردے کے پیچھے ہوتا ہے، خواہ وہ سلطان ذکر کے غلبہ کی وجہ سے حاضر کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد مکاشفہ آتا ہے۔ مکاشفہ یہ ہے کہ صوفی بیان و وضاحت کی صفت کے ساتھ حاضر ہو۔ اس حالت میں اسے نہ تو

---

38 علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص:۴۸۴

39 ن۔م، ص:۴۸۵

کسی دلیل میں غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، نہ راستہ تلاش کرنے کی اور نہ ہی شک و شبہات کے اسباب سے اسے پناہ طلب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ مغیبات کے بیان کرنے میں حجاب محسوس کرتا ہے۔"[40]

اصطلاحاتِ صوفیہ از عبدالصمد چشتی میں لکھا ہے:

"محاضرہ سالک کا حق تعالیٰ سے حضور قلب کے ساتھ استفادہ حقائق اسمائیہ حاصل کرنا۔"[41]

اور "مکاشفہ کشفِ صغریٰ کو کہتے ہیں[42] اور کشفِ صغریٰ سے متعلق لکھتے ہیں:

"یعنی سالک اپنی توجہ قلبی سے زمین و آسمان، ملائکہ، ارواح اہل قبور، عرش و کرسی، لوح محفوظ الغرض دونوں جہاں کا حال معلوم کرے اور مشاہدہ کرے، اس کشف میں غلطی بھی ہو جاتی ہے"[43]

معجم اصطلاحات الصوفیہ میں محاضرہ سے متعلق لکھا ہے:

المحاضرة: حضور القلب مع الحق فی الاستفاذة من أسمائه تعالیٰ[44]

مکاشفہ سے متعلق لکھا ہے:

شهود الاعيان، ومافيها من الأحوال فی عين الحق، فهو التحقيق الصحيح بمطالعة تجليات الاسماء الالهية[45]

حضرت داتا صاحبؒ نے محاضرہ اور مکاشفہ کو انتہائی آسان اور بہترین انداز میں بطور تقابل کے پیش کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

---

[40] علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص:۴۸۶

[41] القشیری، ابو القاسم عبد الکریم ہوازن، امام، الرسالۃ القشیریہ، ص:۱۴۹۔۱۵۰

[42] چشتی، محمد عبد الصمد، خواجہ، اصطلاحاتِ صوفیہ، ص:۱۳۷

[43] ن۔م، ص:۱۳۰

[44] ن۔م، ص:۱۲۰

[45] الکاشانی، عبد الرزاق، معجم اصطلاحات الصوفیہ، ص:۱۰۰

"محاضرہ لطیف آیات کے پیش نظر حضور دل حاصل ہونے کو کہتے ہیں اور مکاشفہ باطن کے تحیر کا نام ہے جو جلوہ حقیقت کو دیکھ کر رونما ہو۔ محاضرہ کا تعلق آیات کے دیکھنے سے ہے اور مکاشفہ کا شواہدات کے دیکھنے سے۔ محاضرہ کی علامت دوامی تفکر ہے آیات کے سامنے اور مکاشفہ کی علامت دوامی تحیر ہے حق تعالیٰ کی بے انتہا عظمت کے روبرو۔"[46]

آپؒ ان اصطلاحات کی وضاحت میں ایک آیت مبارکہ، حضرت ابراہیمؑ اور نبی اکرم ﷺ کے ملکوتی نظام سے آگاہی کا حال اور حضرت شبلیؒ و حضرت ابوسعید خراز کے اقوال پیش کرتے ہیں۔

قبض وبسط

الرسالۃ القشیریہ میں ان اصطلاحات کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"قبض وبسط۔ یہ دونوں حالتیں بندے پر اس وقت طاری ہوتی ہیں، جب وہ خوف ورجاء کی حالت سے ترقی کر لیتا ہے۔ لہذا عارف کیلئے قبض کی وہی حیثیت ہے، جو مبتدی کیلئے "خوف" اور بسط عارف کیلئے ایسا ہے، جیسے مبتدی کیلئے رجاء"۔[47]

معجم اصطلاحات الصوفیہ میں قبض کے متعلق لکھتے ہیں:

قبض الحق عبده من الخلق، يستره فى لباس التلبيس بظاهرة الشرعية ، وصورة العوام صيانة عن الناس[48]

اور بسط کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

---

[46] الکاشانی، عبد الرزاق، معجم اصطلاحات الصوفیہ، ص:۳۴۶

[47] علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص:۴۸۶

[48] القشیری، ابو القاسم عبد الکریم ھوازن، امام، الرسالۃ القشیریہ، ص:۱۲۹

وهو: بسط الحق ، لقوة معناه ، وكمال عرفانه، بحيث يشهد الحق فى الخلق، فلا يخالج الشواهد مشهوده، ولا يضرب رياح الرسوم موجوده، فهو منبسط فى قبضة القبض[49]

چشتی صاحب بسط سے مراد لیتے ہیں:

"سالک کی کشادگی دل و سرور کو بسط کہتے ہیں اور اسکی ضد کو قبض کہتے ہیں۔ سالک پر سیر الی اللہ کی حالت میں بعض واردات ایسے وارد ہوتے ہیں جن سے عشق اور محبت کا غلبہ اور دل میں سرور و شوق پیدا ہوتا ہے۔ عبادت میں لذت آتی ہے جس سے سالک کی ترقیٔ باطن ہوتی ہے، یہی بسط ہے اور قبض اس کے برعکس ہے۔"[50]

چشتی صاحب رقمطراز ہیں:

قبض سے مراد "سالک کے دل پر ان واردات غیبی کا نزول بند ہو جانا جن سے اسے سرور اور ذوق شوق اور لذت عبادت حاصل ہوتی ہے۔ اس حالتِ قبض میں سالک کے دل پر وحشت ہوتی ہے اور کسی عبادت میں دل نہیں لگتا۔ یہ حالت بسط کے بعد وارد ہوتی ہے۔ قبض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محمود: وہ یہ ہے کہ حالت بسط کے روکنے کیلئے پیدا ہوتا ہے کہ سالک اپنے ذوق و شوق اور سرور میں حد سے نہ گزر جائے اور اسرار الٰہی کو عوام پر نہ کھولے اور ضبط سے کام لے۔ اس سے سالک کی ترقی ہوتی ہے۔ دوسری قبض مذموم: وہ یہ ہے کہ حالتِ بسط میں سالک سے کوئی سوء ادبی ہو جائے اور نشہ محبت میں تعلی کرنے لگے تو اس کے بعد من جانب اللہ قبض ہو جاتا ہے،

---

49 الکاشانی، عبدالرزاق، معجم اصطلاحات الصوفیہ، ص:۳۵۲

50 ن۔م، ص:۳۵۴

واردات غیبی رک جاتے ہیں، یہ سالک کی تنبیہہ اور تادیب کیلئے ہوتا ہے۔ پہلی قسم قبض محمود کی تو سالک کیلئے لازمی ہے کہ وہ بسط کے بعد وارد ہوتی ہے۔ اسلئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ بسط و قبض یعنی قبض محمود سالک کے واسطے لازمی ہیں۔ جو یکے بعد دیگرے سالک پر وارد ہوتے ہیں۔"[51]

حضر داتا صاحبؒ قبض و بسط کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"قبض سے مراد عالم حجاب میں دل کا انقباض ہے اور بسط کا مطلب حالت کشف میں دل کی کشائش ہے۔ دونوں چیزیں بلا کوشش انسانی من اللہ ہیں۔ عارفوں کیلئے قبض کا مقام وہی ہے جو مریدوں کیلئے خوف کا اور بسط ان کیلئے ایسے ہے جیسے امید مریدوں کیلئے"[52]

قبض و بسط کی اصطلاحات کی دیگر تعاریف پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بسط سرور و اطمینان کی حالت جبکہ قبض پریشانی اور بے چینی سے معنون ہے لیکن حضرت داتا صاحبؒ اس کیلئے عالم حجاب کے الفاظ استعمال کر کے اس اصطلاح کے معانی میں جو وسعت پیدا کرتے ہیں وہ دیگر کے ہاں نہیں ملتی۔ یوں ان اصطلاحات کے معانی میں ایک نئے یعنی روحانیت کے تصور کا وہ عالم آجاتا ہے جس سے عوام ناآشنا ہی ہوتے ہیں۔ آپؒ ان اصطلاحات کے مفاہیم کو واضح کرنے کیلئے 4 آیاتِ قرآنیہ، قولِ بایزید بسطامیؒ کے علاوہ حالتِ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حالتِ حضرت عیسیٰؑ کو بیان کرتے ہیں تاکہ مفہوم کی وضاحت کیلئے امثلہ بھی پیش کی جا سکیں۔

انس و ہیبت

صوفیاء کے نزدیک استعمال ہونے والی دو اصطلاحیں ہیبت و انس کی بھی ہیں۔ ہیبت کا درجہ قبض کے اوپر اور قبض کا درجہ خوف کے اوپر ہے اسی طرح انس کا درجہ بسط کے اوپر اور بسط کا درجہ رجاء کے اوپر ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہیبت و انس، قبض و بسط سے زیادہ بڑے درجے میں آتے ہیں۔

---

51 چشتی، محمد عبدالصمد، خواجہ، ص:۱۹

52 ن۔م، ص:۱۱۲، ۱۱۳

امام قشیری انس و ہیبت سے متعلق لکھتے ہیں:

"ہیبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا صاحب ماسوا سے غائب ہو، لہذا ہر ہیبت والا زیادہ غائب ہوتا ہے... انس کا تقاضا یہ ہے کہ صاحب انس حقیقی محو کی کیفیت میں ہو، لہذا ہر صاحب انس ہوش میں ہو گا۔"[53]

عبد الصمد چشتی لکھتے ہیں:

"انس: جمال حضرت الہیہ کے مشاہدہ سے جو اثر دل میں پیدا ہو، اس کو انس کہتے ہیں۔"[54] اور "یہ قلبی کیفیات ہیں۔ پہلے قلب میں خوف یا رجاء کی کیفیت ہوتی ہے۔ اس کے بعد کیفیت خوف سے قبض اور کیفیت رجاء سے بسط ہوتا ہے۔ اور کیفیت قبض سے ہیبت اور بسط سے انس پیدا ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہیبت ایک کیفیت ہے، جو مشاہدہ ذات حق سبحانہ سے حیرت و محویت کی سی حالت طاری ہوتی ہے۔ جس سے سالک پر سکر غالب ہو جاتا ہے اور انس ایک حالت ہے جس سے سالک سکر سے حالت صحو میں آجاتا ہے۔"[55]

حضرت داتا صاحبؒ انس و ہیبت سے متعلق لکھتے ہیں:

"انس و ہیبت سالکان حق کے احوال میں شامل ہے۔ جب حق تعالیٰ بندے کے دل پر اپنے جلال کا پرتو ڈالتا ہے تو اسے "ہیبت" مقدر ہوتی ہے، جب اپنے جمال کی تجلی سے سرفراز فرماتا ہے تو انس نصیب ہوتا ہے۔ اہل ہیبت اس کے جلال کے سامنے تکلیف میں ہوتے ہیں اور اہل انس جمال حق کے

---

53 علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص:۴۸۶

54 القشیری، ابو القاسم عبد الکریم ھوازن، امام، الرسالۃ القشیریہ، ص:۱۳۱

55 چشتی، محمد عبد الصمد، خواجہ، اصطلاحاتِ صوفیہ، ص:۸

مشاہدہ میں مسرور ہوتے ہیں۔ایک دل اس کے جلال سے دوستی کی آگ
میں جلتا ہے دوسرا اس کے جمال سے ، انوار مشاہدہ میں تابناک ہوتا ہے
دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔"[56]

آپؒ ان اصطلاحات کے ذیل میں بھی اپنے شیخ کے حوالہ سے دو آیات قرآنیہ سے استدلال کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ان آیات کی موجودگی میں مشائخ کی ایک جماعت انس الٰہی کو ناممکن کیسے کہہ سکتی ہے لیکن بعد میں اپنا نظریہ بھی بیان کرتے ہیں کہ دونوں گروہ باوجود اختلاف کے راستی کی راہ پر گامزن ہیں۔اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپؒ مشائخ کے اختلاف کے صرف بیان پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اس پر اپنی رائے کو بھی ضرور بیان کرتے ہیں۔اسی طرح کشف المحجوب میں کئی دیگر مقامات پر یہ بھی دیکھنے میں ملتا ہے کہ اختلاف مشائخ کے بعد ترجیحی قول کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔

قہرولطف

قہر و لطف کی اصطلاحات بھی تصوف میں رائج ہیں ، معجم اصطلاحات الصوفیہ اور الرسالۃ القشیریہ میں تو ان اصطلاحات کا تذکرہ نہیں ملتا، البتہ عبد الصمد چشتیؒ لکھتے ہیں کہ "قہر تجلی جلالی کا نام ہے"[57] اور "لطف تجلی جمالی کا نام ہے"[58]
لیکن حضرت داتا صاحبؒ نے کشف المحجوب میں ان اصطلاحات پر سیر حاص تبصرہ فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"قہر کا مطلب تائید حق سے اپنی آرزوؤں کو فنا کرنا اور اپنے مقصد نفسانی کو
روکنا ہے بغیر کسی ذاتی مراد کے۔لطف کے معنی بقائے باطن ، دوام مشاہدہ
اور استقامت حال بحکم تائید ربانی ہے۔"[59]

---

[56] چشتی، محمد عبد الصمد، خواجہ، اصطلاحاتِ صوفیہ، ص:۱۷۰

[57] علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص:۴۹۰

[58] چشتی، محمد عبد الصمد، خواجہ، اصطلاحاتِ صوفیہ، ص:۱۱۵

[59] ن۔م، ص:۱۲۴

آپؒ ان اصطلاحات کی تشریح میں مشائخ کی آراء کو بھی سامنے لاتے ہیں اور مشہور واقعات کے علاوہ ذاتی مشاہدات بھی بیان کرتے ہیں۔ مشائخ جن بنیادوں پر لطف اور قہر کے درجوں میں اولیٰ کا نظریہ رکھتے ہیں، ان آیات کو بھی بیان کرتے ہیں۔ ان اصطلاحات کے بیان میں اپنی آرزو بھی بیان کرتے ہیں:

> "مجھے صرف اس چیز کی آرزو ہے جس میں حق تعالیٰ مجھے مصیبت سے محفوظ رکھے اور نفس کے شر سے بچائے۔ قہر میں مجھے تمنائے لطف نہ ہو اور اگر لطف میسر آجائے تو ارادت قہر نہ ہو کیونکہ ہمیں اس کے اختیار میں کوئی دخل نہیں۔"[60]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپؒ جہاں دو آراء میں سے ادب کی وجہ سے کسی ایک کو ترجیح دینا مناسب نہیں سمجھتے وہاں آپ نے اپنی ذاتی آرزو بیان کر کے حقیقت حال کی طرف راہنمائی کرنے کی کوشش کی ہے۔

نفی واثبات

نفی کو بعض اوقات محو کے الفاظ سے بھی یاد کیا جاتا ہے الرسالۃ القشیریہ میں نفی و اثبات سے متعلق یہی الفاظ درج ہیں، جیسا کہ لکھا ہے "عاداتِ بشریہ کے اوصاف کو مٹا دینے کا نام "محو" ہے، اور احکامِ عبادت کے قائم کرنے کا نام "اثبات" ہے۔ جس نے اپنے احوال سے مذموم صفات کی نفی کی، اور ان کی جگہ پسندیدہ افعال اور احوال پر کاربند ہوا۔ تو یہ شخص محو واثبات کا مالک ہوا۔"[61]

مولانا عبد الصمد چشتی لکھتے ہیں: "نفی: یہ کئی قسم کی ہے ایک صفات ذمیمہ کی نفی کرنا۔ دوسرے اپنی ہستی وخودی کو مٹانا و نیز جملہ اعتبارات غیریت اور حجابات کو اٹھا دینا۔"[62] اور اثبات سے بارے میں لکھتے ہیں کہ "احکام عبادت کی پابندی کو کہتے ہیں... اور بعض نے کہا ہے قائم کرنا ان باتوں کو جو اللہ تعالیٰ سے ملاتی ہیں۔"[63]

---

60 علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص:۴۹۲

61 ن۔م، ص:۴۹۳

62 القشیری، ابو القاسم عبد الکریم ھوازن، امام، الرسالۃ القشیریہ، ص:۱۴۷

63 چشتی، محمد عبد الصمد، خواجہ، اصطلاحاتِ صوفیہ، ص:۱۵۲

حضرت داتا صاحب ان کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

"مشائخ صفات بشریت کو مٹانے اور تائید حق کو ثابت کرنے کو نفی اور اثبات کا نام دیتے ہیں۔ نفی سے مراد نفی صفت بشریت لیتے ہیں اور اثبات سے اثبات قوت حقانیت۔ کیونکہ محو کا مطلب کلیت کو مٹانا ہے اور کلیت کے مٹنے کا تعلق صرف صفات سے ہو سکتا ہے ذات سے نہیں"[64]

آپؒ ان اصطلاحات کی انتہائی مختصر طور پر تعریف کی وضاحت کرنے کے بعد ایک آیت قرآنی اور دو اقوال مشائخ کے علاوہ ایک حکایت بھی بیان کرتے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں کہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن میرا مقصد صرف یہ ہے کہ ان اصطلاحات کا مطلب بخوبی واضح ہو جائے۔ اس طرح کا طریقہ کار دیگر زیر مطالعہ تصانیف اصطلاحات التصوف میں نظر نہیں آتا۔ جو کہ صرف کشف المحجوب کا ہی خاصا ہے۔

مسامرہ و محادثہ

چشتی صاحب تحریر کرتے ہیں:

"مسامرت رات کے وقت حق سبحانہ وتعالیٰ کی جناب میں مناجات کرنا اور بعض کہتے ہیں عارفین پر عالم اسرار و عالم غیب سے فیضان ہونا مسامرۃ ہے اور محادثہ حق سبحانہ تعالیٰ کا کسی خاص صورت جسمانی میں اپنے بندہ سے خطاب کرنا جیسے حضرت موسیٰؑ کو شجرہ سے نداء حق آئی۔ نیز سالک کی دعوات روزینہ کو بھی محادثہ کہتے ہیں۔ چنانچہ نماز میں بندہ خدا سے اور خدا بندے سے باتیں کرتا ہے۔"[65]

حضرت داتا صاحبؒ لکھتے ہیں:

---

64 چشتی، محمد عبد الصمد، خواجہ، اصطلاحاتِ صوفیہ، ص:۸

65 علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص:۴۹۳

"محادثہ گفتگوئے باطن ہے جس میں زبان خاموش رہتی ہے۔ مسامرہ اخفائے باطن میں مسرت دائمی محسوس کرنے کو کہتے ہیں۔ عام معنی کے لحاظ سے مسامرہ رات میں اور محادثہ دن میں کوئی وقت ہوتا ہے جب ظاہری اور باطنی سوال وجواب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رات کی مناجات کو مسامرہ اور دن کی دعاؤں کو محادثہ کہتے ہیں۔ دن کا حال عالم کشف اور رات کا عالم ستر کہلاتا ہے۔ محبت حق میں مسامرہ کا مقام محادثہ سے بلند تر ہے۔"[66]

انتہائی خوبصورت انداز میں محادثہ اور مسامرہ کی اصطلاحات کو بیان کرنے کے بعد محادثہ کی ترجیح کو بھی بیان کر دیا ہے۔ آپؒ نے جس طرح دیگر اصطلاحات کی تشریح میں آیات مبارکہ اور احادیث درج کی ہیں، اسی طرح ان اصطلاحات کی تشریح میں بھی 3 آیات اور ایک حدیث مبارکہ کو بیان کر کے مقصد کو واضح کیا ہے۔

علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین

علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین سے متعلق عبد الصمد چشتی لکھتے ہیں:

"یقین کے تین درجہ ہیں (1) علم الیقین۔ یعنی معتبر ذرائع اور معتبر دلائل سے کسی چیز کا یقین کے ساتھ علم ہونا (2) عین الیقین۔ یعنی علم الیقین کے مطابق خود بھی مشاہدہ کر لینا۔ اسی لئے یہ درجہ پہلے درجہ سے زیادہ قوی ہوتا ہے (3) حق الیقین یعنی کسی شئے کا اس درجہ یقین ہو جائے کہ عالم اس کی ماہیت میں مستغرق اور فنا ہو جائے۔ یہ درجہ عین الیقین سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ درجے یقین کے عام طور پر ہیں اور حضرات صوفیاء کی اصطلاح میں تین طرح بیان کیا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ ظاہر شریعت پر عامل ہونا علم الیقین ہے اور اس میں اخلاص اور محبت کا پیدا ہو جانا عین الیقین ہے۔ اور اس کا مشاہدہ حاصل ہو جانا حق الیقین ہے۔ دوسرے یہ کہ اعتقادی طور پر اللہ تعالیٰ کو

[66] چشتی، محمد عبد الصمد، خواجہ، اصطلاحاتِ صوفی، ص:۱۲۸

ایک ماننا اور سب کا خالق جاننا جس طرح کہ توحید عامہ میں پہلے بیان ہو چکا ہے یہ علم الیقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے اور اسماء، افعال، آثار سے اس کی ذات کو پہچاننا درجہ عین الیقین ہے اور اس سے آگے ترقی کر کے ہر ذرہ میں ذات دیکھنا اور ذات میں جملہ کائنات دیکھنا اور ذات میں فنا ہو جانا درجہ حق الیقین ہے۔"[67]

سید شبیر احمد کاکا خیل لکھتے ہیں:

"علم الیقین: اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے مستند طریقوں سے کسی کو پتہ چلے کہ زہر سے آدمی مرتا ہے اور آگ اشیاء کو جلاتی ہے۔ عین الیقین: اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کوئی کسی چیز کو آگ سے جلتا ہوا دیکھتا ہے یا زہر سے مرتا ہوا دیکھتا ہے۔ حق الیقین: اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے خود پر کوئی چیز گزرتی ہے جیسے آگ سے جلا یا زہر سے مرنے لگا تو اس کے لئے وہ حق الیقین ہے۔"[68]

داتا صاحبؒ لکھتے ہیں:

"صوفیائے (کرام) کے نزدیک علم الیقین دنیوی معاملت سے متعلقہ احکام و اوامر کو جاننا ہے۔ عین الیقین سے مراد عالم نزع میں اور سفر آخرت کا علم ہے اور حق الیقین کا مطلب حشر کے دن رویت باری اور اس کی کیفیت سے مستفید ہونا ہے۔ الغرض علم الیقین علماء کا مقام ہے کیونکہ وہ شرعی احکام و امور پر ثابت قدم ہوتے ہیں۔ عین الیقین عارفان حق کا درجہ ہے کیونکہ وہ ہر وقت موت کیلئے مستعد رہتے ہیں۔ حق الیقین محبان حق کا مقام فنا ہے

---

67 علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص:۴۹۵

68 چشتی، محمد عبد الصمد، خواجہ، اصطلاحاتِ صوفیہ، ص:۴۷۔۴۸

کیونکہ وہ کل موجودات سے روگرداں رہتے ہیں۔ علم الیقین کی بنیاد مجاہدہ پر
ہے۔ عین الیقین کی محبت حق پر اور حق الیقین کی مشاہدہ حق پر۔ پہلی چیز عام
ہے، دوسری خاص اور تیسری خاص الخاص۔"[69]

یہاں بھی اگر حضرت داتا صاحبؒ نے جو تعاریف کی ہیں ان پر غور کیا جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دیگر حضرات کے برعکس آپ درجات قائم کرتے ہیں اور علم الیقین کو علماء کا، عین الیقین کو عارفین کا اور حق الیقین کو محبین کا مقام قرار دیتے ہیں۔ یہاں بھی آپؒ ترجیح قائم کرتے ہیں جو کہ صرف کشف المحجوب کا ہی خاصا ہے، یعنی عام، خاص اور خاص الخاص۔

علم و معرفت

چشتی صاحب علم و معرفت سے متعلق قمطراز ہیں:

"معرفت علمی یہ ہے کہ دلائل عقلیہ اور دلائل نقلیہ سے حق سبحانہ و تعالیٰ کو پہچانے جیسے علماء متکلمین... معرفت علمی سے راہ حق معلوم ہو جاتی ہے۔ لیکن واصل بحق اس سے بھی نہیں ہوتا۔ جب تک کہ راہ سلوک طے نہ کرے۔"[70]

حضرت داتا صاحب لکھتے ہیں:

"علمائے اصول علم و معرفت میں کوئی فرق نہیں کرتے اور دونوں کو ایک چیز تصور کرتے ہیں البتہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کیلئے صرف عالم کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے عارف کا نہیں اس موضوع پر کوئی صریح نص موجود نہیں۔ مشائخ طریقت اس علم کو معرفت کہتے ہیں جس میں عمل اور حال شامل ہوں اور صاحب علم اسے معرض بیان میں لائے۔ اس کے برعکس وہ

---

69 کاکاخیل، شبیر احمد، سید، زبدۃ التصوف، ص:۲۴۔۲۵

70 علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص:۴۹۶

علم جو حال سے الگ اور عمل سے خالی ہو محض علم ہے اور اس کو جاننے والا عالم۔ الغرض جو کوئی معانی اور حقیقت کا عالم ہو عارف کہلاتا ہے اور جو صرف عبارت کو ذہن میں رکھے بغیر فہم حقیقت کے وہ عالم ہوتا ہے۔ صوفیائے کرام جب اپنے ہم عصروں کی تحقیر کرنا چاہتے ہیں تو انہیں دانشمند کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ عوام اس کو برا سمجھتے ہیں حالانکہ مراد تحصیل علم کی برائی نہیں ہوتی بلکہ علم بے عمل کو برا کہنا مقصود ہوتا ہے۔"[71]

زیر مطالعہ کتب میں بعض حضرات نے تو علم و معرفت کی اصطلاحات پر بحث ہی نہیں کی۔ عبد الصمد چشتیؒ نے ان اصطلاحات کی انتہائی موزوں طریقے سے تعریف فرمائی ہے۔ لیکن آپؒ نے اس کی تعریف کے ساتھ عالم و عارف اور ان کے مقام کی بھی وضاحت فرما دی۔ یعنی یہاں بھی ترجیح کے قیام کو مد نظر رکھا اور صوفیائے کرام اصطلاحات کے استعمال میں جتنی احتیاط فرماتے ہیں، اس کی وضاحت بھی فرما دی ہے۔

شریعت وطریقت

الرسالۃ القشیریہ میں درج ہے:

" عبودیت پر قائم رہنے کا حکم دینا شریعت ہے، اور حقیقت حق تعالیٰ کی ربوبیت کے مشاہدے کا نام ہے۔ لہٰذا ہر وہ شریعت، جس کی تائید حقیقت سے نہیں ہوتی، وہ غیر مقبول ہے اور ہر وہ حقیقت، جو احکام شریعت سے مقید نہ ہو، بے سود ہے۔"[72]

معجم اصطلاحات الصوفیہ میں لکھا ہے:

---

71 چشتی، محمد عبد الصمد، خواجہ، اصطلاحاتِ صوفیہ، ص:۱۳۱

72 علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص:۴۹۷

الطریقة: ھی السیرة المختصة بالسالکین الی اللہ من قطع المنازل والترقی فی المقامات۔ [73].

چشتی صاحب لکھتے ہیں:

"شریعت نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال یعنی وہ احکام جو جسم ظاہری سے تعلق رکھتے ہیں۔"[74] اور "مقامات اور مراتب سلوک طے کرنا تاکہ قرب ذات حق سبحانہ تعالےٰ حاصل ہو۔"[75]

حضرت داتا صاحب لکھتے ہیں:

"یہ دو اصطلاحاتِ صوفیاء میں شامل ہیں۔ شریعت سے مراد حال ظاہر کی صحت اور حقیقت سے مراد حال باطن کی درستگی ہے۔ دو گروہ اس معاملے میں غلطی کے مرتکب ہیں ایک علمائے ظاہر ہیں جو دونوں میں فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ شریعت بذات خود حقیقت اور حقیقت شریعت ہے۔ دوسرا گروہ ملحدین کا ہے جو دونوں کو علیحدہ علیحدہ قائم سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں جب حقیقت بروئے کار ہو تو شریعت کی ضرورت نہیں رہتی۔۔۔ اسی طرح حقیقت کی اقامت کا انحصار شریعت پر ہے اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے جسم میں جب تک جان ہے انسان زندہ ہے جب جان نکل جائے تو تن مردار ہے اور جان کی حیثیت ہوا سے زیادہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ جسم و جان کی اہمیت باہم ملاپ سے ہے۔ بالکل یہی عالم شریعت و حقیقت کا ہے۔ شریعت بغیر حقیقت کے ریا اور حقیقت بغیر شریعت کے منافقت ہے۔[76]

---

73 القشیری، ابو القاسم عبد الکریم ھوازن، امام، الرسالۃ القشیریہ، ص:۱۶۰

74 الکاشانی، عبد الرزاق، معجم اصطلاحات الصوفیہ، ص:۸۵

75 چشتی، محمد عبد الصمد، خواجہ، اصطلاحاتِ صوفیہ، ص:۸۳

76 علی ہجویری، داتا گنج بخش، حضرت، کشف المحجوب مترجم علامہ فضل الدین گوہر، ص:۴۹۸

درج بالا مطالعہ کی روشنی میں بطور نتائج کشف المحجوب کی دیگر ذیر مطالعہ کتب اصطلاحات الصوفیہ پر جو تخصیصات سامنے آئی ہیں، وہ درج ذیل ہیں۔

1. کشف المحجوب کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اصطلاحات الصوفیہ کی دو اقسام ہیں۔ پہلی وہ جو متصوفین حضرات راہ سلوک میں سالکین کیلئے استعمال کرتے ہیں جبکہ دوسری قسم وہ ہے جو کلام صوفیاء میں استعارۃً استعمال ہوتی ہیں۔ دیگر حضرات نے ان کی تخصیص نہیں فرمائی۔
2. کشف المحجوب میں اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ کسی اصطلاح کی ذیلی اصطلاحات بھی موجود ہوں تو انہیں بھی بیان کر دیا جاتا ہے جبکہ دیگر حضرات کی تصانیف میں یہ صورت حال خال خال ہی ملتی ہے۔
3. حضرت داتا صاحبؒ کسی بھی اصطلاح کی تشریح و توضیح کرتے وقت آیات مبارکہ، احادیث نبوی اور اقوالِ مشائخ کو بھی بیان فرماتے ہیں، جو کہ الرسالۃ القشیریہ کے علاوہ دیگر کتب میں ناپید ہیں۔
4. راہ سلوک و تصوف میں عاجزی و انکساری کا عنصر بنیادی حیثیت کا حامل ہوتا ہے، اسلئے اس سلسلہ کی تصانیف میں ترجیحات قائم نہیں کی جاتیں۔ لیکن کشف المحجوب کا یہ خاصا ہے کہ اس میں ضروری ترجیحات کو بھی بیان فرمادیا گیا ہے۔
5. دیگر تصانیف کی بنسبت کشف المحجوب کا اسلوب انتہائی سادہ اور عام فہم ہے۔